ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.3 (2025)
(July to September)

ن م راشد کے ایک اہم نقاد وارث علوی

Waris Alvi an Important Literary Critic of Noon Meem Rashid

طارِق حبیب

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو زبان وادب، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

پروفیسر ڈاکٹر نسیم عباس

پروفیسر: شعبہ اُردو زبان وادب، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

Tariq Habib

Assistant Professor, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha, Sargodha

Prof. Dr. Naseem Abbas

Professor, Department of Urdu Language and Literature, University of Sargodha, Sargodha

Abstract:

Waris Alvi stands among the most distinguished critics of modern Urdu literature, particularly noted for his insightful and profound evaluation of N. M. Rashid's poetry. Rashid, a pioneering modernist poet, transformed the landscape of Urdu poetry through his innovative use of free verse, symbolic imagery, and philosophical depth. Waris Alvi's critical writings on Rashid offer an in-depth exploration of his poetic sensibility, intellectual concerns, and the socio-psychological dimensions that underpin his work. Through a refined analytical lens, Alvi interprets Rashid's poetry not merely as an artistic expression but as a manifestation of modern man's existential dilemmas and intellectual struggles.Waris Alvi also pays attention to Rashid's technical mastery, particularly his pioneering use of *azad nazm* (free verse) in Urdu literature. He interprets Rashid's free verse not as a mere formal innovation but as a necessary artistic medium to convey the complexities of modern human experience. Through this form, Rashid liberated Urdu poetry from the constraints of rhyme and meter, allowing it to express the intellectual and emotional anxieties of the modern era.

Keywords: N. M. Rashid, Waris Alvi, Modern Urdu Poetry, Modernism, Symbolism, Existentialism, Psychological Realism, Literary Criticism, Poetic Philosophy.

ن۔م راشد کا اصل نام نذر محمد ہے۔ صوبہ پنجاب کے ضلع گوجراں والا کے ایک قصبے اکال گڑھ میں پیدا ہوے، جس کا نیا نام علی پور چٹھہ ہے۔ راشد نے، بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی عہد کے قلمی مزاج کے مطابق اپنا نام ن م راشد، اختیار کیا۔ن م راشد (۱)[پیدائش: یکم اگست ۱۹۱۰ء بہ مطابق: ۲۴۔رجب المرجب ۱۳۲۸ھ۔ سوموار۔۔ وفات: ۹۔اکتوبر ۱۹۷۵ء بہ مطابق: ۳۔شوال المکرم ۱۳۹۵ھ۔ جمعرات] بیسویں صدی عیسوی کے ادبی تناظر میں ایسے خوش نصیب شاعر ہیں، جنھیں اُردو آزاد نظم کے مروّج ہونے کا باقاعدہ اعزاز حاصل ہے۔ اُنھوں نے نہ صرف آزاد نظم کو رائج کیا اور فروغ دیا، بل کہ اِس صنف کے امکانات میں مقدور بھر اضافہ کیا اور اِسے

قبولِ عام کے درجے پر لے آئے۔ ایک زمانے تک اُنھیں سخت مخالفانہ تنقید و تنقیص کا بھی سامنا رہا، مگر اُن کی استقامت پسند اور تخلیقی شخصیت کی وجہ سے اُن کی قبولیت اور پذیرائی کا زمانہ بھی جلد شروع ہو گیا۔ خالصتاً اُردُو آزاد نظم گو شعرا میں ابھی تک ن م راشد ہی ایسے واحد شاعر ہیں، جن پر نقد و نظر کا کام سب سے زیادہ ہوا ہے۔ تنقیدی مضامین کی صورت میں بھی اور باقاعدہ کُتُب کی صورت میں بھی۔ اب تک راشد صاحب پر ایک شخصی اور تاثراتی کتاب سمیت تیئیس تنقیدی کُتُب شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے تیرہ مکمل تصانیف اور دس مرتّبہ کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ راشد شناسی کے باب میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی خدمات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

راشد شناسی کا آغاز تو راشد پر مضامین اور اُن کی نظموں کے تجزیاتی مطالعات کی شکل میں راشد کی نظموں کی پہلی کتاب: "ماورا" کی اشاعت: ۱۹۴۱ء سے قبل ہی ہو گیا تھا، تاہم راشد پر پہلی باقاعدہ تنقیدی کتاب: "ن م راشد پر"، ۱۹۴۴ء میں حیاتُ اللہ انصاری نے لکھی، اپنے منفی لب و لہجے کی بنیاد پر اِس کتاب کا اُس زمانے میں چرچا تو بہت ہوا، مگر راشد شناسی کے ضمن میں فکری سطح پر اب اِس کی کوئی اہمیت نہیں رہی، محض ایک تاریخی حیثیت باقی رہ گئی ہے۔ راشد کی فکری و فنی خدمات کا باقاعدہ اعتراف کرنے میں بھارت نے اُس وقت پہل کی، جب حیدر آباد سے ڈاکٹر مغنی تبسُّم اور ڈاکٹر شہریار نے اپنے ادبی مجلّے: "شعر و حکمت" کا "ن م راشد نمبر" [۱۹۷۱ء] شائع کیا اور بعد ازاں انھی دو شخصیات نے نومبر ۱۹۸۱ء میں "شعر و حکمت" کے "ن م راشد نمبر" کو "ن م راشد: شخصیت اور فن" کے نام سے کتابی صورت میں شایع کیا۔

پاکستان میں راشد شناسی کا اوّلین اعزاز بجا طور ڈاکٹر جمیل جالبی کے حصے میں آیا کہ پہلے اُنھوں نے ۱۹۷۸ء میں "نیا دور" کراچی کا "ن م راشد نمبر" اور پھر ۱۹۸۶ء میں ایک کتاب: "ن م راشد۔ ایک مطالعہ" کے نام سے مرتّب کی، جس میں راشد کے فکر و فن پر مختلف مشاہیر کے مضامین یک جا کر دیے گئے،(۲) اِس لیے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ راشد شناسی کے باب میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی اِس خدمت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ خود اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب کے پیش لفظ میں، راشد ناشناسی کی ذیل میں لکھتے ہیں:

> "راشد کی وفات کے بعد پاکستان سے کسی ادَبی رسالے نے کوئی خاص شمارہ، اُن کی یاد میں شائع نہیں کیا، سوائے "نیا دور" کراچی کے "ن م راشد نمبر" کے، جو مَیں نے ۱۹۷۸ء میں مرتب کیا تھا"۔(۳)

راشد صاحب کے معاملے میں اِس عدم توجہی کی سب سے بڑی وجہ شاید اخلاقی جرأت کی کمی ہے، کیوں کہ راشد کی وفات کے بعد اُن کی میت سوزی کا واقعہ ایسا ہے، جس نے کئی طرح کے سوال کھڑے کر دیے جو، شاعر اپنے کلام میں اخلاقی جرأت کا نمونہ اور قوم کی تنگ نظری کا شاکی رہا ہو، اُسے بہ ہر حال یہ سب کُچھ بھگتنا تو تھا ہی؛ تاہم "نیا دور" کے "ن م راشد نمبر" کی اشاعت کے اعزاز کے باوجود، ڈاکٹر جمیل جالبی کی درج بالا رائے سے اتفاق ممکن نہیں، کیوں کہ راشد کی وفات کے فوراً بعد ماہ نامہ: "طُلوعِ افکار" کراچی نے چونسٹھ صفحات پر مبنی ایک خاص شمارہ: "ن م راشد ایڈیشن" کے نام سے شائع کیا تھا(۴)، جس کے ترپن صفحات راشد صاحب سے مخصوص تھے، جنھیں اگر کتابی شکل دی جائے تو یہ کم و بیش ایک سو دس صفحات کی کتاب بنتی ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بہت ضخیم شمارہ نہیں تھا، لیکن پھر بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ راشد کی وفات کے فوراً بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی۔(۵) ڈاکٹر جمیل جالبی نے "طُلوعِ افکار" کی اس اشاعت کا ذکر نہیں کیا، جب کہ ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے بڑے محقق کی نظر سے اس کا پوشیدہ رہنا باعثِ حیرت ہے، جب کہ اس کی اشاعت ہوئی بھی کراچی سے ہو۔

"ن م راشد۔ ایک مطالعہ"، ن م راشد پر دوسری مرتّبہ کتاب ہے جو، معروف محقق، ادبی مؤرخ اور نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی (۶) [۱۲۔ جون ۱۹۲۹ء۔ علی گڑھ۔۔ ۱۸۔ اپریل ۲۰۱۹ء۔ کراچی] نے ۱۹۸۶ء میں مرتّب کر کے مکتبہ اُسلوب، کراچی، پاکستان سے پیش

کی۔ پاکستان میں ن م راشد پر شایع ہونے والی یہ پہلی مرتّبہ کتاب ہے اور برصغیر کے تناظُر میں یہ ن م راشد پر دوسری مرتّبہ کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ پہلی مرتّبہ کتاب حیدر آباد، بھارت سے ڈاکٹر مغنی تبسُّم ۱۹۸۱ء میں شایع کر چکے تھے۔

تین سو چھہتر صفحات پر مشتمل، ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتب کردہ کتاب: "ن م راشد۔ ایک مطالعہ"، کے پیش لفظ میں مضامین کی جمع آوری اور انتخاب، کتاب کی اہمیت و افادیت اور اِس کی اشاعت کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پیش لفظ کے بعد ن م راشد کے حالات و کوائف درج ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی نے کتاب کو "شخصیت، مطالعۂ فن، خطوط، 'نقطۂ نظر' اور دس نظمیں" کے نام سے پانچ حصوں میں بانٹا ہے۔ کتاب میں تین تاثراتی، جب کہ تیرہ تنقیدی مضامین کے ساتھ ساتھ راشد کے خطوط اور دس غیر مبطوعہ منظومات پر مشتمل ہے۔ ادب کے طلبہ کے لیے عموماً اور خاص طور پر ن م راشد کے قارئین کے لیے اس کتاب کے مشمولات کی فہرست درج ہے:

پیش لفظ	ڈاکٹر جمیل جالبی	۵
ن م راشد: حالات و کوائف	مرتّب	۷
شخصیت		
حسن کوزہ گر	ساقی فاروقی	۱۴
راشد: چند یادیں، چند باتیں	آغا عبدالحمید	۳۸
راشد، چند یادیں	غلام عباس	۵۴
مطالعۂ فن		
راشد کا ذہنی ارتقا	خلیل الرحمن اعظمی	۶۲
ن م راشد: ابتدائی دورِ شاعری	فیض احمد فیض	۸۰
شاعروں کا شاعر	ڈاکٹر آ۔فتاب احمد	۸۵
ن م راشد: نئی نظم اور پورا آدمی	سلیم احمد	۱۱۵
ن م راشد	عزیز احمد	۱۳۵
ن م راشد کی شاعری	وارث علوی	۱۴۲
ن م راشد	ڈاکٹر وزیر آغا	۱۸۲
راشد کی شاعری کا کیریکٹر	ممتاز حسین	۱۸۶
ن م راشد: انسان اور خدا	عالم خوندمیری	۱۹۳
راشد کی تین نظمیں: تجزیاتی مطالعہ	میراجی	۲۰۳
راشد کی ایک نظم: ایک تجزیہ	محمد حسن عسکری	۲۱۱
ن م راشد پر	علی جواد زیدی	۲۱۴
راشد کی چند نظموں کی ابتدائی صورتیں	ڈاکٹر جمیل جالبی	۲۲۰
خطوط		

بنام آغا عبد الحمید		۲۳۲
بنام ضیا جالندھری		۲۶۸
بنام ڈاکٹر سید عبد اللہ		۲۷۰
بنام امین حزیں		۲۷۵
بنام ڈاکٹر جمیل جالبی		۲۷۹
نقطۂ نظر		
جدید شعری رویے	ن م راشد اور ساقی فاروقی	۳۱۸
ہیئت کی تلاش	ن م راشد	۳۴۸
نظم اور غزل	ن م راشد	۳۵۴
دس نظمیں جو کسی مجموعے میں شامل نہیں	ن م راشد	۳۵۸

درج بالا فہرستِ مضامین کا اندراج، ن م راشد کے ادبی مقام و مرتبے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس وقت ان تنقیدی مضامین میں سے ایک اہم مضمون کا جائزہ مقصود ہے، جس نے راشد کے افکار کی تفہیم میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ مضمون وارث علوی کا لکھا ہوا ہے۔

معروف نقاد وارث علوی [۱۱۔ جون ۱۹۲۸ء، احمد آباد۔۹۔ جنوری ۲۰۰۴ء، احمد آباد (بھارت)] کا طویل مضمون: "ن م راشد کی شاعری" جو، قریباً چالیس صفحات پر محیط ہے، میں وضاحتی انداز سے راشد کی نظم گوئی کے مختلف اَفکار زیرِ بحث آے ہیں، جب کہ زیادہ تر راشد کے تصوُّرِ خدا کو موضوع بنایا گیا ہے، تاہم راشد کے لیے اُن کا لہجہ دفاعی رہا ہے۔

آغازِ کار میں سپنڈر [?] (۷)، سپنڈر – Stephen Spender: 28 February 1909 Kensington, London – 16 July 1995, London] کی بات کو آگے بڑھاتے ہوے کہا گیا ہے کہ: "آج کا شاعر بڑی حد تک خارجی دنیا کو کنٹرول کرنے کے بجائے محض اُسے بھگت رہا ہے۔" (8) دراصل تیزی سے بدلتے ہوے حالات کے حیرت انگیز کمالات اور نو آبادیاتی تناظر میں انسان (شاعر) کی بے بسی اور ذہنی کش مکش کا تجزیہ کیا گیا ہے اور راشد بھی اِسی جبر کی چکی تلے پستا ہوا ایک انسان ہے، اِسی لیے وارث علوی نے "ماور" اور "ایران میں اجنبی" کے تناظر میں کہا ہے کہ راشد کی حساسیت ابتدا میں فعالیت کی بجاے انفعالیت آمادہ شاعری کی زیادہ عکاس ہے؛ ایسی بغاوت آثار حساسیت جو، حالات کو بدلنا تو چاہتی ہے، مگر مجبورِ محض ہے اور صرف تڑپ کر رہ جاتی ہے؛ لہٰذا اِن جذباتی اُلجھنوں کے زیرِ اثر راشد کا لہجہ دبا ہوا ہے، لیکن:

> "راشد کا کمال یہی ہے کہ وہ اپنے بے حد اُلجھے ہوئے جذباتی تجربات کو ایک فارم، ایک صورت دینے میں کامیاب ہوئے ہیں"۔ (9)

راشد کی انسان دوستی کے موضوع کی تفہیم میں اچھے اچھے ناقدین نے دانستہ یا نادانستہ دھوکہ کھایا ہے، مگر وارث علوی نے راشد کے ہاں انسان سے محبت اور اِس کے حق میں احتجاج کے پہلو کو شدت سے محسوس بھی کیا اور اُسی طرح اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ یہ "مجبور احتجاج": "ایران میں اجنبی" تک واضح ہے اور اپنی اسی بے بسی کو کام یابی سے نظم کرنا راشد کا کمال ہے۔ "لا = انسان" میں دھند چھٹنے لگی اور شاعری میں فاعلیت بڑھنے لگی؛ نیز اب راشد صاحب مشاہدات و تجربات کے جزوی پہلوؤں کو بھی نظم کرنے لگے؛ تاہم اُن کے تجربات سیدھے اور اکہرے نہیں ہیں، اِس لیے اُن کے ہاں (جذباتی) پیچیدگی اور ابہام پیدا ہو جاتے ہیں۔ وارث علوی نے یہاں تین اور اہم اوصاف کا

بھی اشارہ کیا ہے: ایک تو راشد کے ہاں خلش اور ذہنی کش مکش، دوسرا، نئے انسان کا انتظار اور تیسرا، غور و فکر۔ وارث علوی نے نام لیے بغیر ترقی پسندوں سے راشد کا موازنہ بھی کیا اور بتایا ہے کہ ذات سے ہٹ کر راشد کے قومی دُکھ اور مسائل کہیں زیادہ تھے۔ وہ کسی ایک پلیٹ فارم سے بے بسی کی جنگ نہیں لڑ رہے تھے، اُن کے ہاں ہر رویہ اور ہر جذبہ داخلی اور خارجی کشاکش میں گندھا ہوا تھا اور یہ نہایت درست ہے کہ:

"داخلی اور خارجی کش مکش کی ایسی مثال ہم عصر شاعری میں کہیں ڈھونڈے سے نہ ملے گی"۔ (۱۰)

راشد کی اِس کیفیت کو اُن کی نظموں: "سوغات"، "شاعرِ درماندہ"، "پہلی کرن" وغیرہ سے واضح کیا گیا ہے؛ نیز سامراجی خدمت کے باعث ذلّت و بے زاری کا احساس بھی راشد کی اِن نظموں سے ظاہر ہے۔ ان کے سیاسی شعور کے اظہار کے لیے نظم: "زنجیر" اور "اجنبی عورت" کا ذکر کرتے ہوے وارث علوی نے منصفانہ فکری رسائی کا ثبوت دیا ہے اور اُن کا تنقیدی عمل لایقِ تحسین ہے۔ اُن کا کہنا بجا ہے کہ راشد کی نظموں کو محض سیاسی کہنا درست نہیں، کیوں کہ اُن میں ذاتی اور شخصی تجربات کی آمیزش بہت زیادہ ہے اور اپنے ٹھوس تجربات کو تخلیق کرتے ہوے راشد نے اپنے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں برتی، بل کہ جہاں تلخ حقایق کے بیان کی ضرورت محسوس ہوئی؛ راشد نے اُن کا بے لاگ اظہار کیا ہے۔ یہ تو طے ہے کہ راشد صاحب کی شعری تخلیق کا آغاز رومانوی ہے اور پھر کسری آدمی سے بلند ہو کر حقیقت پسندانہ طرزِ عمل تک کا "صحت مندانہ" سفر راشد نے خوش اُسلوبی سے طے کیا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ راشد کے ہاں مشرق کی بے داری کی خواہش کا پہلو زیادہ نمایاں ہے، مگر ماضی پسندی نہیں ہے؛ نیز مغرب کے نقائص بھی اُن کی نظر میں ہیں اور مغرب سے اُن کی جنگ بھی سیاسی نوعیت کی ہے، نہ کہ اقبال کی طرح تہذیبی اور معاشرتی طرز کی:

"راشد مشرق کی روحانی قدروں کا ثناخواں نہیں، بلکہ مادی برکتوں اور انسان کی آزادی کے لیے تصوّرات کا نوحہ گر ہے۔ راشد کو مغرب کی مادی ترقی اور انسان کی آزادی کے نئے تصورات پر کشش معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ چکاچوند اُس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کر دیتی"۔ (۱۱)

یہ بڑی ہی اہم بات ہے کہ اِس کشش کے باوجود راشد مغرب کے اندھے پیروکار نہیں ہیں، البتہ وارث علوی، اگر راشد کے تخلیقی ارتقائی سفر کے آخری شاہ کار پر قلم اٹھاتے تو شاید ضرور یہ کہتے کہ اب راشد، مشرق کی رُوحانی قدروں کی ثناخوانی کی غمازی کرتے ہوے بھی دکھائی دے رہے ہیں اور شروع میں بھی راشد، مشرق کے رُوحانی اور مادی زوال کا سبب مشرق کی ضعیف الاعتقادانہ رسوم اور سہل انگاری کو قرار دیتے ہیں۔ وارث علوی نے راشد کی شاعری کے روحانی پہلو سے طویل بحث کرتے ہوے یہ واضح کرنے کی مبارک کوشش کی ہے کہ راشد ملحد نہیں ہیں، بل کہ بے رُوح عقیدے اور نمائشی مذہب سے گریزاں ہیں۔ ماضی سے راشد کی بے زاری کی ایک وجہ ہندو پاک کی احیائی تحریکیں بھی بتائی گئی ہیں، جنھوں نے انسان سے تعمیری حوصلہ چھین لیا، تاہم اصل کام ایلیٹ کی طرح یہ سمجھنے کا ہے کہ ماضی کو کیسے تخلیقی تخیل کا حصہ بنا کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور یہی بیسویں صدی کے انسان کا مسئلہ ہے کہ وہ جتنی شدومد سے ماضی کو رد کرتا ہے، ردِ عمل میں جدید سکیولر تہذیب کو اُس طرح قبول نہیں کرتا۔ راشد اِس انسان کا نمایندہ ہے:

"اسی لیے راشد کا اور جدید انسان کا Dilemma یہ ہے کہ اُس نے باسی پانی تو پھینک دیا، لیکن اب روح کی پیاس بجھانے کے لیے سوائے ویرانے کی خشک ریت کے سوا اُس کے پاس کچھ نہیں..... راشد کی فکر بھی کچھ اسی قسم کی رہی ہے کہ خدا مر چکا ہے اور اس

کی موت سے فائدہ اٹھا کر انسان کو اپنے طوق و سلاسل توڑ دینے چاہییں اور مستقبل کی طرف قدم بڑھانا چاہیے"۔(۱۲)

وارث علوی راشد کی فکر کے اگرچہ بہت قریب رہے ہیں، لیکن اِس موضوع پر اُن کے ساتھ اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے؛ مثلاً خدا کی موت سے فائدہ اُٹھا کر درست نہیں، بل کہ کسی سہارے کے معدوم ہونے کا اشارہ واضح ہے؛ ایسا سہارا جو، انسان سے ہمت و محنت کا جذبہ چھین لیتا ہے۔ اکثر ناقدین کے ہاں راشد کے اِس مسئلے کی صحیح تفہیم و تبلیغ نہیں ہو سکی۔ چوں کہ وارث علوی نے خود یہ ذکر کیا ہے کہ اُنھوں نے یہ مضمون لکھتے ہوے ایلیٹ کے مضمون: "Humanism of Irving Babbit" سے بہت استفادہ کیا ہے(۱۳)، اِس لیے ہر بات کو اِسی مضمون کے اثرات کے تحت دیکھا گیا ہے؛ تاہم راشد مذہب کا یا خدا کا قطعاً انکار نہیں کرتے، وہ دراصل توہم پرست اور سہل انگار معاشرے کے رائج تصورِ خدا کی نفی کرتے ہیں؛ وہ پرانی اقدار اور نئے تقاضوں کی ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں اور یہ بات بجا ہے کہ رُوحانیت کی اقدار کا انکار کر کے کوئی بڑا اخلاقی مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ: "خیر و شر کے اخلاقی تصورات کی تشکیل، معاشرہ اپنی روحانی قدروں کی بنیاد پر کرتا ہے۔"(۱۴) اسحوالے سے انھوں نے راشد کی نظموں: "اتفاقات"، "گناہ"، "عہدِ وفا" اور "جرأتِ پرواز" کو جدید شاعری میں جذباتی اور اَخلاقی تصادُم کی بے بدل مثالیں قرار دیتے ہوے درست کہا ہے کہ راشد کا الحاد خدا سے انکار نہیں، بل کہ زیادہ تعلق اور زیادہ توقعات کی دلیل ہے اور بجا کہا ہے کہ:

"شاعر بار بار یہ کہتا تو ہے کہ تُجھ کو کیا اِس سے غرض ہے کہ خدا ہے کہ نہیں، لیکن یہ تو شاعر ہی جانتا ہے کہ اُس کو خدا سے کتنی غرض ہے..... راشد خدا سے انکار نہیں کرتا۔ نہیں کر سکتا، کیوں کہ خدا کا انکار کر دیجیے تو آپ خیر و شر کے تصوُّر سے بالا ہو جاتے ہیں"۔(۱۵)

تاہم علوی صاحب کا خیال یہ ہے کہ راشد روح اور جسم کو کسی اکائی میں نہیں پرو سکے۔ اُنھوں نے ڈاکٹر آفتاب اَحمد کا حوالہ دیتے ہوے کہا ہے کہ راشد کا ماضی سے لاگ کا تعلق ہے، اگر یہ تعلق لگاؤ کا ہوتا، تو وہ زیادہ بہتر صورتِ حال پیدا کر سکتے تھے۔ اُن کا یہ اعتراض بحث کے در، وا کرتا ہے اور اس کی فکری معنویت لائقِ توجہ ضرور ہے کہ:

"خوں ریز فسادات کے وقت سیاسی شاطروں کی چال بازیوں، فاشی جماعتوں، نجی سیناؤں، زہریلے اخباروں کو نظر انداز کر کے مسجد کے بانگی اور جٹادار سادھو کی طرف انگشت نمائی کرنا حقیقت پسند طرزِ فکر نہیں۔ راشد ایک ملائے حزیں کو تین سو سال کی نکبت کا نشان کیسے قرار دیتا ہے، یہ سمجھنا مشکل ہے"۔(۱۶)

راشد نے فی نفسہٖ کسی مذہبی ادارے کو نشانہ نہیں بنایا، بل کہ اُن کا ہدف وہ نو آبادیاتی طرزِ فکر، عافیت کوش نظریات اور فلسفے ہیں، جنھوں نے آج کے انسان کو ضعیف الاعتقاد بنا کر ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے، اِسی لیے وہ ایک نئے اور فکری سطح پر بالغ الشعور اور آزاد انسان کا خواب دیکھتے ہیں۔ وارث علوی کا نقطۂ نظر بجا ہے کہ راشد نے فکری سطح پر ماضی کو رد ضرور کیا ہے، لیکن فنی سطح پر ماضی سے استفادہ بھی بہت کیا ہے۔ اپنی شاعری میں عربی اور عجمی فضا تخلیق کرنا اس کی واضح دلیل ہے۔ عزیز اَحمد نے جن تراکیب کو راشد کے ہاں نقص قرار دیا، وارث علوی اُن کو خوبی قرار دیتے ہیں اور یہ درست بھی ہے؛ اِسی وجہ سے راشد کے ہاں تمنا اور آرزو کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ "آرزو راہبہ ہے"، "دل مرے صحرا نوردِ پیر دل"، "سبا ویراں"، "اظہار اور رسائی" اور "مرگِ اسرافیل"، اسی قبیل کی نظمیں ہیں، جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہی

اندازِ فکر آگے چل کر راشد کے ہاں ایک فلسفے کی تشکیل کرتے ہیں، مثلاً: "ہمہ تن نشاطِ وصال ہم" اور یہیں سے وارث علوی راشد کے الحاد کی طرف مراجعت کرتے ہوے اپنی طویل بحث ختم کر دیتے ہیں کہ دراصل راشد خدا کے اُس حاکمانہ تصوُّر سے نجات کے متمنی ہیں، جس کے سائے تلے انسان کبھی بھی اپنا انفرادی تشخُّص حاصل نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ خدا سے اَخلاقی رُخصت کے خواہاں ہیں، کیوں کہ وہ حرف و معنی کے آہنگ کے متلاشی ہیں۔ کچھ فکری اختلاف کے باوجود وارث علوی نے صحیح کہا ہے کہ:

> "راشد کی کیفیت اُس بے قرار انسان کی ہے، جو پُر اَسرار راتوں میں کھڑکی کھول کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پکارے: تو کب اپنے نہ ہونے کا اعلان کرے گا، جس سے میں اپنے ہونے کا اعلان کر سکوں..... بے خدا وہ ہوتا ہے، جسے کھڑکی کھول کر آسمان کی طرف پکارنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ خدا کے ساتھ راشد اور ہم سب کی لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی اور جب تک جنگ جاری ہے، رشتہ قائم ہے؛ لگاؤ کا نہ سہی، لاگ کا سہی اور راشد کے لاگ میں وہ شدت اور توانائی ہے، جو اہلِ ایمان کے لگاؤ میں بھی نظر نہیں آتی"۔(۱۷)

وارث علوی نے سارتر، اورسٹس، نطشے، ایلیٹ، بودلیئر، بیکٹ، لارنس، جائس، کوسکی اور سپنڈر وغیرہ کا حوالہ دیتے ہوئے تقریباً اٹھارہ صفحات میں راشد کے تصورِ خدا سے بحث کی ہے، جس میں انسان کو اپنے تشخص کے قرار اور بقا کے لیے خدا (تصورِ خدا) ایک بڑی رکاوٹ نظر آتا ہے۔ مجموعی طور پر راشد کے فکری پس منظر میں وارث علوی کے اس مضمون کی اہمیت اور افادیت بہت زیادہ ہے اور راشد فہمی کے ضمن میں اِس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ زیرِ بحث مضمون کی روشنی میں وارث علوی اُن چند اہم ناقدین اور اہم راشد شناسوں میں شمار ہوتے ہیں، جنھوں نے مثبت نظری کے ساتھ راشد کی فکر کو سمجھنے اور سمجھانے کا فریضہ نبھایا ہے۔ ن م راشد شناسی کے باب میں وارث علوی کی فکری رسائی کو ہمیشہ تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہے گا۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے راشد پر اپنی مرتبہ کتاب: ن م راشد: ایک مطالعہ، [۱۹۸۶ء، کراچی، مکتبہ اُسلوب، ص:۷]، میں ن م راشد کی پیدائش کی تاریخ: ۹۔ نومبر ۱۹۱۰ء درج کی ہے، جو درست نہیں۔ موجود ریکارڈ کے مطابق درست تاریخ پیدائش: یکم اگست ۱۹۱۰ء ہے۔

۲۔ اِن تمام کُتُب اور اِن میں شامل مضامین کی تفصیل: راقم (طارق حبیب) کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے بہ عنوان: راشد شناسی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مخزونہ: یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا،

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پیش لفظ، (مشمولہ)، ن م راشد: ایک مطالعہ، (مرتبہ)، ڈاکٹر جمیل جالبی، ۱۹۸۶ء، کراچی، مکتبہ اُسلوب، ص:۵

۴۔ "طلوعِ افکار"، نومبر ۱۹۷۵ء، کراچی، ماہ نامہ، جلد:۶، شمارہ:۱۷، (خاص شمارہ)، ن م راشد ایڈیشن،، مدیر: حسین انجم، ۶۴ ص:

۵۔ راقم کو "طلوعِ افکار" کا مذکورہ بالا گراں قدر شمارہ اُستاذِ مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی خصوصی توجہ سے میسر آیا، جس کے لیے راقم ان کا شکر گزار ہے۔

۶۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: شخصیت اور فن، (پاکستانی ادب کے معمار)، از: ڈاکٹر عبد العزیز ساحر، اسلام آباد، اکاڈمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ ح، ص:۱۲

۷۔ گمان غالب ہے کہ کتاب میں پروف کی غلطی کی وجہ سے سپنڈر کو سپلنڈر لکھ دیا گیا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ جنابِ وارث علوی نے یہاں معروف انگریزی شاعر، ناول نگار اور نقاد سٹیفن سپنڈر کی رائے نقل کی ہو گی۔

۸۔ وارث علوی، مضمون: ن م راشد کی شاعری، (مشمولہ)، ن م راشد۔ ایک مطالعہ، ص: ۱۴۲

۹۔ ایضاً، ص: ۱۴۳

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۴۵

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۵۲

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۵۷، ۱۵۸

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۷

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۲

۱۵ ایضاً، ص: ۱۶۳، ۱۶۴

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۶۷

۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۷۹/ ۱۸۰

References in Roman Script:

1. Dr. Jameel Jalibi ne Rashid par apni martaba kitaab: N. M. Rashid: Aik Mutala‘a [1986, Karachi, Maktaba Usloob, P:7] mein N. M. Rashid ki paidaish ki tareekh 9 November 1910 darj ki hai, jo durust nahi. Maujooda record ke mutabiq durust tareekh-e-paidaish 1 August 1910 hai.
2. In tamam kutub aur in mein shamil mazameen ki tafseel: raqam (Tariq Habib) ke Ph.D. ke maqale b-e-unwan: Rashid Shanasi: Tehqeeqi o Tanqeedi Mutala‘a, makhzoona: University of Sargodha, Sargodha.
3. Jameel Jalibi, Dr., Pesh Lafz, (mashmoola), N. M. Rashid: Aik Mutala‘a, (muratabba), Dr. Jameel Jalibi, 1986, Karachi, Maktaba Usloob, P:5
4. Tulu‘-e-Afkar, November 1975, Karachi, maah naamah, jild: 6, shumara: 71, (khaas shumara), N. M. Rashid Edition, mudeer: Hussain Anjum, P:64
5. Raqam ko Tulu‘-e-Afkar ka mazkoora bala garan qadr shumara ustad-e-mukarram Professor Dr. Muhammad Fakhr-ul-Haq Noori ki khas tojjuh se mayassar aaya, jis ke liye raqam un ka shukar guzar hai.
6. Dr. Jameel Jalibi: Shakhsiyat aur Fan (Pakistani Adab ke Ma‘mar), az: Dr. Abdul Aziz Sahir, Islamabad, Academy Adabiyat Pakistan, 2007, P:12
7. Gumaan ghalib hai ke kitaab mein proof ki ghalti ki wajah se “Spender” ko “Splender” likh diya gaya hai. Raqam ka khayal hai ke Janab Waris Alvi ne yahan

ma‘roof Angrezi shaa‘ir, novel nigaar aur naqad Stephen Spender ki raay naql ki hogi.

8. Waris Alvi, mazmoon: N. M. Rashid ki Shayari, (mashmoola), N. M. Rashid: Aik Mutala‘a, P:142
9. Ibid., P:143
10. Ibid., P:145
11. Ibid., P:152
12. Ibid., P:157, 158
13. Ibid., P:157
14. Ibid., P:162
15. Ibid., P:163, 164
16. Ibid., P:167
17. mIbid., P:179/180